© rasailojaraid.com

اشارات

ہمارے ایک رفیقِ جماعت اپنے ایک تازہ عنایت نامے میں لکھتے ہیں :-

" اقامتِ دین کی دعوت جس حکمت اور جس انداز میں اللہ نے آپ کو پیش کرنے کی توفیق عطا فرمائی ہے، اس سے کوئی صاحبِ ایمان جو سمع و بصر اور شعور کی دولت سے بہرہ ور ہو اتفاق کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اِس اسلوب میں حاضر کے تقاضوں کا پورا لحاظ اور اس دعوت کے مزاج کی حقیقی رعایت ملحوظ رکھی گئی ہے۔ اور احقاقِ حق کے لیے یہی دو چیزیں بنیادی حیثیت رکھتی ہیں لیکن اس کام سے تمام و کمال اتفاق کے باوجود ذہن میں یہ سوال بار بار ابھرتا ہے کہ دین کو برپا کرنے کے لیے جس صحبتِ کامل، جس بصیرت سازی اور جس نظر کیمیا اثر کے اعلیٰ اوصاف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں موجود تھے وہ کوئی پھر کہاں سے لا سکتا ہے حضور کی عظیم ترین شخصیت، پھر الہام و وحی سے ہر ہر گام پر رہنمائی پھر استفادہ و استفاضہ کرنے والے قلوب کی غایت توجہ و اشتیاق نے جماعت صحابہ کے ایک ایک فرد میں یقین کی وہ آگ اور خلوص کا وہ لازوال جذبہ پیدا کر دیا تھا کہ ان کی زندگی کے ہر ہر جزو سے ان کی دعوت اور ان کے مقصد کا عشق ٹپکا پڑتا تھا۔ آج جبکہ نہ وہ پاکیزہ صحبت، نہ وہ بے خطا قیادت، اور نہ مخاطبین میں وہ اہلیت و کیفیت، اور اس پر آج کے شر و فتن کا فکر و ذہن پر استیلائے تام۔ ایسی حالت میں مخلصین مجاہدین کی وہ جماعت برپا ہو سکے گی، اس کا تصور بھی دشوار ہے۔

اس کام کی فرضیت سے مجھے انکار نہیں۔ اسی احساس کی بنا پر اسے کر بھی رہا ہوں لیکن کیا اس کے نتائج بھی اس طرح کے ہوں گے؟ یہ بات میرے لیے بڑی تشویش کی موجب بن جاتی ہے سوچتا ہوں کہ اس کے لیے ویسے ظروف اور احوال والی شخصیتیں کہاں ہیں؟ نہ ویسی قیادت، نہ ویسے اوصاف کی ہیں، نہ ویسی اطاعت کی صلاحیتیں۔ اقامتِ دین کا کام کرنے والوں سے کچھ وعدے تو ضرور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہیں مگر ان کا بھی ایک معیار مقرر ہے۔ ایک خاص درجہ کا ایمان و ایقان اور خلوص۔ اپنے مقصد سے عشق اور اس کی تربیت کے لیے ویسی ہی اک صحبت بھی درکار ہے۔ اگر یہ سب چیزیں مہیا نہ ہوئیں تو چاہے قرآن کے سیاسی نظریے پر ایک گروہ منظم ہو جائے مگر اسلام کی وہ اخلاقی اور روحانی اسپرٹ رکھنے والا گروہ پیدا نہ ہو سکیگا جو اس کے نظام حیات کی صحیح نمائندگی کر سکتا ہو اور جس کے لیے نصرت اور تمکن کے وعدوں کے ساتھ "خیر امت" اور "خلفاء اللہ فی الارض" کے خطابات استعمال کیے گئے ہیں۔

چنانچہ تحریک اسلامی کا کام اگرچہ جاری ہے اور اس کے افراد میں بحمد اللہ بہت کچھ تبدیلیاں بھی ہوئی ہیں اور ہو رہی ہیں مگر جس ایمان کامل کی گرمی جس زندہ یقین کے مظاہر اور جس خلوص مقصد کی تاثیر صحابہ میں ایمان لانے کے بعد ہی محسوس ہونے لگتی تھی وہ مجھے اپنے یہاں بلحاظ مراتب اور اک مدت کے بعد بھی دکھائی نہیں دیتی، الا ماشاء اللہ۔ اس کی وجہ صحیح تربیت اور پاکیزہ صحبت کی کمی ہے یا اس کام کے معیار کے مطابق ویسے مربی اور مزکی نفوس عالیہ کا فقدان۔ بہر حال جو بھی وجہ ہو مذکورۃ اشکال یا اشتباہ کو اس سے تقویت ہوتی ہے۔

ایک دوسری بات میرے لیے باعث خلجان یہ بھی ہے کہ اس دور کی ایک دوسری دینی تحریک جو اتفاق سے اس دور کا نظر و فکر ساتھ نہیں رکھتی بعض ایسے افراد کو ضرور سامنے لائی ہے جن سے قلب کسی نہ کسی درجہ میں متاثر ہوتا ہے۔ یہ الجھن میرے لیے حل طلب ہے کہ جو کام ٹھیک ٹھیک معیار پر جاری ہے اس میں تو وہ روح نہیں ابھری اور ایک محدود سی تحریک میں اس کے کچھ آثار نظر آتے ہیں۔ ممکن ہے یہ کمی ذکر اللہ کی عادت نہ ہونے سے پیدا ہوئی ہو جس ذکر کی تلقین احادیث میں آئی ہے تاہم اس کا کوئی قابلِ اطمینان حل تلاش نہیں کر سکا۔ اس لیے جناب کو تکلیف دے رہا ہوں دل میں اس دعوت کا یقین کیسے پیدا ہو اور اس پر ایمان کیسے زندہ ہو؟ اس کی تدبیر اب تک سمجھ میں نہیں آئی۔ اگر مذکورہ امور کی کوئی اہمیت جناب محسوس فرمائیں تو تفصیل کے ساتھ جواب رقم فرمائیے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ خلجان، جس کا ہمارے محترم رفیق نے اظہار کیا ہے، اس سے وقتاً فوقتاً ہمیں سابقہ پیش آتا رہا ہے اور متعدد مواقع پر اس کو رفع کرنے کی کوشش کی جا چکی ہے۔ آپ رسائل و مسائل (صفحہ ۶۹ ۴۔۷۰ ۴) میں اس کا ایک مختصر جواب پا سکتے ہیں۔ تفہیم القرآن کے مقدمہ میں بھی "قرآنی سلوک" کی تشریح کرتے ہوئے اس کے بعض پہلوؤں سے بحث کی گئی ہے۔ ترجمان القرآن میں پچھلے دنوں جو اشارات نکلتے رہے ہیں، اُن میں بھی اس کے بعض گوشوں سے تعرض کیا گیا ہے۔ پھر اسی اشاعت میں مولانا امین احسن صاحب کا جو مضمون شائع ہو رہا ہے اس میں اس مسئلے پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ یہ چیزیں اگر کوئی شخص بغور پڑھے تو اُمید ہے کہ بڑی حد تک اس کی تشفی ہو جائیگی۔

لیکن میں سمجھتا ہوں کہ یہ خلجان پوری طرح رفع نہیں ہو سکتا جب تک آدمی اس کی تشخیص اور اس کا علاج باقاعدگی کے ساتھ نہ کرے پہلے اس کا سراغ لگائیے کہ یہ شروع کہاں سے ہوتا ہے۔

غالباً اس کی ابتدا اس مقام سے ہوتی ہے کہ آپ "اقامتِ دین" کا جب تصوّر کرتے ہیں تو معاً آپ کے سامنے دورِ نبوت اپنی ساری تابناکیوں کے ساتھ آجاتا ہے، اور اس خیال سے آپ کا دل بیٹھنے لگتا ہے کہ وہ عظیم رہنما اور وہ بے نظیر کارکن آج کہاں ہیں جن کے ہاتھوں یہ کام اس وقت ہوا تھا۔ میں عرض کرتا ہوں کہ تھوڑی دیر کے لیے آپ اسی ابتدائی مقام پر پھر واپس پہنچ جائیے اور کسی دوسرے سوال پر غور کرنے یا آگے بڑھنے سے پہلے اپنے دل کا جائزہ لے کر تحقیق کیجیے کہ جب یہ سوال آپ کے دل میں اُبھرتا ہے تو اس کے ساتھ کس قسم کے رجحانات آپ کے نفس کو اپنی طرف کھینچنا شروع کرتے ہیں؟ آپ گہرا جائزہ لیں گے تو نمایاں طور پر دو رجحانات کی کشش آپ کو خود محسوس ہو گی:

ایک یہ کہ مایوس ہو جاؤ۔ اب نہ وہ رہنما اور وہ کارکن میسّر آئیں گے، نہ یہ کام ہو سکے گا، اس لیے بہتر یہ ہے کہ پورے دین کی اقامت کا تصور ہی چھوڑ دو، جو کام ہو نہیں سکتا اس کے پیچھے پڑنے سے کیا حاصل۔ دین کی جزوی خدمات میں سے کوئی ایک خدمت اپنے ہاتھ میں لے لو اور جیسی کچھ بری بھلی بن آئے کرتے رہو — میں اپنے ذاتی تجربات و مشاہدات کی بنا پر کہتا ہوں کہ یہ اولین رجحان ہے جو اس مقام پر آدمی کے سامنے آتا ہے اور میں یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ یہ پہلا دھوکا ہے جو شیطان ایک نیک نفس مسلمان کو دیتا ہے تاکہ وہ اقامتِ دین کے نصب العین سے کسی طرح باز آجائے۔ اس لیے آگے کی کوئی بات سوچنے سے پہلے آپ کو چاہیے کہ اس فریب کو اوّل قدم ہی پر پہچان لیں اور اگر آپ نیک نیت ہیں تو پورے شعور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور عزم کے ساتھ اپنے ذہن میں پہلے اس کا اچھی طرح قلع قمع کر دیں۔

دوسرا رجحان جو اس کے بعد سامنے آتا ہے یہ ہے کہ یہ کام ہے تو بے شک ضروری اور فرض، مگر اس کے لیے رہنماؤں اور کارکنوں میں وہی روحانی و اخلاقی اوصاف درکار ہیں جن کی بدولت عہد نبوی میں یہ کام ہوا تھا۔ لہٰذا پہلے ویسے بن جاؤ اور اُس طرز کے آدمی بنا لو، پھر اس کام میں لگو۔ یہ دوسرا دھوکا ہے جو پہلے دھوکے سے بچ نکلنے والے کو شیطان رجیم دیا کرتا ہے۔ وہ جب دیکھتا ہے کہ یہ شخص اس نصب العین پر جم گیا ہے اور اس سے ہٹنے پر کسی طرح راضی نہیں ہوتا، تو پھر وہ اس کو مکر کے بجائے تدبیر کی ایک غلط راہ پر ڈالنے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ اس سے کہتا ہے کہ بیشک دریا پار جس منزل مقصود کی طرف تو جانا چاہتا ہے وہ ہے تو منزل مقصود ہی، مگر بیوقوف! تیرنا سیکھے بغیر دریا میں اُترے گا؟ پہلے دریا سے باہر خشکی پر تیرنے کی مشق اچھی طرح کر لے، پھر دریا میں قدم رکھ۔ اس طرح وہ ناصح مشفق، آدمی کو واقعی بیوقوف بنا دیتا ہے اور جو لوگ اس کے اس داؤں سے مات کھا جاتے ہیں وہ سب نہ صرف خود خشکی پر تیراکی کی مشق شروع کر دیتے ہیں بلکہ جن جن لوگوں کو اپنے ساتھ لے چلنا چاہتے ہیں ان کو بھی خشکی کا تیراک بنانے میں خوب مہارتِ فن دکھاتے ہیں۔ مگر اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان ماہرینِ فن کو اکثر تو عمر بھر دریا میں اُترنے کی ہمت نہیں ہوتی، اور اگر کبھی اُتر جاتے ہیں تو زمین پاؤں تلے سے نکلتے ہی یا غرق ہو جاتے ہیں، یا دریا کے بہاؤ پر بہہ نکلتے ہیں، کیونکہ دریا سے باہر خشکی پر تیراکی میں جو کمال پیدا کیا جاتا ہے وہ دریا کی روانی سے پہلا سابقہ پڑتے ہی کالعدم ہو جاتا ہے۔ اس کی مثال تلاش کرنے کے لیے کہیں دُور جانے کی ضرورت نہیں، اپنے ہی مُلک کے اُن علما کا حشر دیکھ لیجیے جنھوں نے درسِ حدیث و فقہ کی مسندوں اور تزکیہ نفس کے زاویوں سے نکل کر ملکی سیاست کے بحرِ مواج میں چھلانگ لگائی تھی۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ ان نفوس قدسیہ کی برکت سے دریا کی رفتار کا رُخ بدلتا اور اس کی گندگیاں دُور ہوتیں، مگر ہوا یہ کہ وہ خود اس کی گندگیوں میں لت پت ہو گئے اور دریا کا رُخ موڑنے کے بجائے خود اس کے رُخ پر مڑ گئے۔ آپ ان بزرگوں کی فہرست پر نگاہ ڈالیں۔ اس میں کیسے کیسے نامور اُستادانِ فنِ سیاحت شریک ہیں، مگر اس مشاہدے کو اب کون آنکھوں والا جھٹلا سکتا ہے کہ یہ سارے ہی اُستاد اپنے نامۂ ناز شاگردوں اور خلیفوں سمیت یا غرق ہوئے یا بہہ گئے۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ شیطان کے اس دھوکے کو بھی اچھی طرح

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پہچان لیں اور اگر واقعی خدا کی راہ میں کچھ کرنا چاہتے ہیں تو اپنے دل کو اس کی ہر کھٹک سے صاف کیے بغیر ایک قدم بھی آگے نہ بڑھیں، ورنہ راستے میں ہر قدم پر یہ آپ کے اندر بھی کمزوری پیدا کرتا رہے گا اور آپ کے توسط سے دوسرے بہت سے ساتھیوں تک بھی اس کا اثر متعدی ہوگا۔

ان دونوں رجحانات کی غلطی کو اگر آدمی آغاز ہی میں محسوس کر لے تو وہ اُس طریق تزکیہ و تربیت کو آپ سے آپ ترجیح دے گا جسے ہم نے ترجیح دی ہے۔ لیکن اس راہ پر چند قدم چلتے ہی یکے بعد دیگرے کچھ دوراہے ایسے آتے ہیں جن میں سے ہر ایک پر پہنچ کر آدمی کا دل چاہتا ہے کہ دائیں یا بائیں مڑ جائے، اور اگر وہ نہ مڑے تب بھی آگے چلتے ہوئے بار بار اس کے دل میں ایک کھٹک پیدا ہوتی ہے کہ وہ ان میں سے کسی موڑ پر کیوں نہ مڑ گیا، بلکہ بسا اوقات یہاں تک جی چاہنے لگتا ہے کہ پلٹے اور راہی میں سے کسی موڑ کی طرف مڑ جائے۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ نے راہ اپنے ذہن میں اپنا سفر آغاز سے شروع کریں اور ان میں سے ہر ایک موڑ کی کشش محسوس کر کے ذرا اس کا جائزہ لے کر دیکھیں کہ ادھر کیا ہے اور کیا چیز اس کی طرف مائل کرتی ہے۔

ایک موڑ آتا ہے جہاں آدمی کے دل میں بار بار یہ خیال کھٹکا پیدا کرتا ہے کہ اس کام کے لیے بہر حال تزکیۂ نفس ضروری ہے اور تزکیۂ نفس کے وہ طریقے جو نبی ﷺ اور صحابہؓ میں اختیار کیے گئے تھے کچھ واضح اور منضبط نہیں ہیں، اور بعد کے ادوار میں جن بزرگوں نے ان طریقوں کو منضبط کیا وہ صوفیائے کرام ہیں، اور ظاہر ہے کہ وہ سب بزرگانِ دین ہی ہیں، لہٰذا اس کام کے لیے جو تزکیہ مطلوب ہے اس کو حاصل کرنے کے لیے تصوف کے معروف طریقوں میں سے کسی کو اختیار کرنا ناگزیر ہے۔ سنتے طرز کے لوگوں میں تو شاید کم ہوں مگر مذہبی خانوادوں میں جن لوگوں نے آنکھیں کھولی ہیں ان سب کو اس موڑ کی کشش کم و بیش متاثر کرتی ہے۔ میں اُن تمام لوگوں سے جو اس کشش کو محسوس کرتے ہیں عرض کرتا ہوں کہ براہِ کرم اس مقام پر ٹھیر کر خوب اچھی طرح غور و تحقیق کریں اور ذرا بے لاگ طریقے سے کریں۔ کیا واقعی کہیں صوفیانہ لٹریچر میں اس کا کوئی ثبوت ملتا ہے کہ اقامتِ دین اپنے وسیع و جامع تصور کے ساتھ اُن بزرگوں کے پیش نظر تھی جن سے یہ صوفیانہ طریقے ماثور ہیں؟ کیا کہیں اس بات کا پتہ نشان ملتا ہے کہ اسی مقصد کے لیے کارکن تیار کرنے کی غرض سے انہوں نے ان طریقوں کو اختیار کیا تھا؟ کیا ان طریقوں سے تیار کیے ہوئے آدمیوں نے کبھی یہ کام کیا ہے؟ اور اگر کیا ہے تو یہ طریقے اس کام میں مفید ثابت ہوئے ہیں؟

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پھر قطع نظر اس سے کہ صدر اول کا طریقہ تزکیۂ نفس منضبط ہے یا نہیں، ہمیں قرآن اور سیرت محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں اس کے جو اصول اور عملی جزئیات ملتے ہیں ان کا مقابلہ بعد کے صوفیانہ طریقوں سے کر کے آپ خود دیکھیں۔ کیا ان دونوں میں نمایاں فرق نہیں پایا جاتا؟ اس بحث میں نہ پڑیے کہ صوفیانہ طریقوں میں جو مختلف چیزیں پائی جاتی ہیں وہ مباحات کے قبیل سے ہیں یا محظورات کے قبیل سے، بحث صرف یہ ہے کہ قرآن و حدیث میں اخلاقی و روحانی علاج کے لیے جو نسخہ تجویز کیا گیا تھا آیا صوفیہ نے اسی نسخے کو جوں کا توں استعمال کیا، یا اس نسخے کے بعض اجزاء کو کم، بعض اجزاء کو زیادہ اور بعض نئے اجزاء کا اس میں اضافہ کر دیا؟ پہلی صورت کا تو شاید آج تصوف کا کوئی بڑے سے بڑا وکیل بھی دعویٰ نہیں کر سکتا۔ لامحالہ دوسری صورت ہی ماننی پڑے گی اور وہی واقعتہً موجود بھی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ اجزاء کی مقدار میں کمی بیشی اور نئے اجزاء کے اضافہ سے نسخے کا مزاج بدلا ہے یا نہیں؟ اگر بدل گیا ہے تو یہ اسی مقصد کے لیے کیسے مفید ہو سکتا ہے جس کے لیے حکیم مطلق اور اس کے بلاواسطہ شاگرد نے اپنا نسخہ مرتب کیا تھا؟ اور اگر کوئی کہتا ہے کہ ان مختلف ترمیمات اور اضافوں کے باوجود نسخے کا مزاج نہیں بدلا ہے تو میں عرض کروں گا کہ تاریخ حکمت میں یہ بالکل ہی ایک نرالا واقعہ ہے (بلکہ شاید خرقِ عادت ہے) کہ اجزائے نسخہ میں مقادیر کی کمی بیشی اور مختلف نئے اضافوں کے باوجود نسخے کا مزاج جوں کا توں رہ گیا۔

میں توقع رکھتا ہوں کہ اگر کوئی شخص تحقیق میں بے جا عقیدتوں اور موروثی تعصبات کو دخل نہ دیگا اور ٹھنڈے دل سے بے لاگ تحقیق کریگا تو اسے اس معاملہ میں پورا اطمینان ہو جائیگا کہ اقامتِ دین کے لیے ہمیں اسی طریقِ تزکیہ پر اعتماد کرنا ہوگا جو قرآن اور سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں ملتا ہے۔ وہ اگر منضبط نہیں ہے تو اب اسے منضبط کرنا چاہیے۔

اس موڑ کو جو شخص پورے اطمینان کے ساتھ چھوڑ کر آگے بڑھتا ہے اسے ذرا آگے چل کر ایک اور مقام پر حیرانی پیش آتی ہے۔ سیرت نگاروں نے عہد صحابہ کی شخصیتوں کے جو مرقعے کھینچے ہیں وہ اس کی نگاہ میں گھومنے لگتے ہیں اور یہ دیکھ کر اس کا دل بیٹھنے لگتا ہے کہ ان کتابی مرقعوں سے ملتی جلتی شخصیتیں تو کہیں نظر نہیں آتیں، پھر بھلا یہ کام کیسے ہوگا؟ اس مقام پر آدمی ہر طرف نظر دوڑاتا ہے کہ کہاں کوئی راستہ ملتا ہے جدھر جا کر میں اپنی مطلوب شخصیتیں پا سکوں اور بسا اوقات شیطان یہاں پھر اس کو مشورہ دیتا ہے کہ بس اسی جگہ سے پیچھے مڑ جاؤ، یا مایوس ہو کر یہیں بیٹھ رہو — اس مرحلے پر بھی ٹھیر کر آدمی کو اچھی طرح غور کرنا چاہیے اور ٹھنڈے دل سے تحقیق کر کے ایک رائے قائم کرنی چاہیے۔ میں اپنے ذاتی تجربے کی بنا پر یہ عرض کرتا ہوں کہ یہاں جو کچھ بھی حیرانی و پریشانی آدمی کو لاحق ہوتی ہے، دو حقیقتوں سے غفلت کی بنا پر ہوتی ہے۔ وہ دو حقیقتیں اگر اس کی سمجھ میں آجائیں تو قلب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مطمئن ہو جاتا ہے اور آگے کا راستہ صاف نظر آنے لگتا ہے۔

پہلی حقیقت یہ ہے کہ جن شخصیتوں کے نمونے وہ تلاش کر رہا ہے وہ شخصیتیں نہ ایک دن میں بنی تھیں نہ آپ ہی آپ بن گئی تھیں۔ وہ بنانے سے بنی تھیں، سالہا سال میں بنی تھیں، اور اگر آپ بے لاگ تحقیق سے کام لیں گے تو آپکو معلوم ہو جائیگا کہ گوشۂ عزلت میں بیٹھے نہیں بنی تھیں بلکہ قرآن و سنت کی ہدایت کے مطابق اقامتِ دین کی جدوجہد میں لگ جانے اور جاہلیت کے نظام فاسد سے کشمکش کرنے سے ہی بتدریج بن سنور کر وہ اُس مرتبے پر پہنچی تھیں جسے آپ سیرت کی کتابوں میں پڑھ یا دیکھ کر آج عش عش کر رہے ہیں۔ اب کوئی وجہ نہیں کہ شخصیت سازی کے اُس طریقے کی پیروی کرنے سے وہی نتائج حاصل نہ ہوں۔ اُس درجے کے نتائج نہ سہی، اُس طرز اور اُس نوعیت کے نتائج تو یقیناً حاصل ہونے ہی چاہئیں، بشرطیکہ صبر سے کام لیکر اُسی طریقے کی پیروی کی جائے اور حکمت و تفقہ کے ساتھ اس کو ٹھیک ٹھیک سمجھ کر کی جائے۔

دوسری حقیقت جس کو نہ سمجھنے کی وجہ سے یہ پریشانی لاحق ہوتی ہے یہ ہے کہ کتابی شخصیتیں واقعی شخصیتوں سے اچھی خاصی مختلف ہوتی ہیں۔ ایک گزرے ہوئے زمانے کے جو نقشے صفحۂ قرطاس پر کھینچے جاتے ہیں گوشت پوست کی دنیا میں بعینہ وہ نقشے کبھی پیدا نہیں کیے جا سکتے۔ لہٰذا جس شخص کو خیالی دنیا میں نہ رہنا ہو بلکہ واقعی دنیا میں کچھ کرنا ہو اُسے اس خیالِ خام میں مبتلا نہ ہونا چاہیے کہ گوشت پوست کے انسان کبھی بشری کمزوریوں سے بالکل منزہ اور تمام مثالی کمالات کا مرقع بن سکیں گے۔ آپ حدِ کمال کو نگاہوں سے اوجھل نہ ہونے دیں، اور اُس تک خود پہنچنے اور دوسروں کو پہنچانے کی کوشش بھی جاری رکھیں، مگر جبکہ آپ کو عملاً خدا کی راہ میں کام کرنا اور ہزارہا آدمیوں سے کام لینا ہو تو قرآن و سنت کے مطابق دین کے تقاضوں اور مطالبات کی ایک حدِ اوسط آپکو نگاہ میں رکھنی پڑیگی جس پر آپکا اور آپکے ساتھیوں کا قائم ہو جانا راہِ خدا میں کام کرنے کے لیے کافی ہو اور جس سے نیچے گر جانا قابلِ برداشت نہ ہو۔ یہ حدِ اوسط خود ساختہ نہ ہونی چاہیے۔ اس کا ماخذ خدا کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت ہی ہونی چاہیے لیکن بہرحال اس حد کو سمجھنا اور نگاہ میں رکھنا ضروری ہے۔ اس کے بغیر کوئی عملی کام آدمی نہیں کر سکتا۔ صدرِ اول میں جن لوگوں سے خدا کا کام لیا گیا تھا وہ سب بھی نہ یکساں تھے اور نہ ان میں سے کوئی بشری کمزوریوں سے مبرا تھا۔ آج بھی جن لوگوں کے ہاتھوں یہ کام ہوگا وہ ہر طرح کی کمزوریوں سے پاک نہ ہونگے۔ یہ خوبی نظامِ جماعت میں ہونی چاہیے کہ وہ مجموعی طور پر ایک صالح اور چست نظام ہو اور اس کے اندر یہ استعداد بھی موجود ہو کہ افراد اس میں شامل ہو کر دینِ حق کی زیادہ سے زیادہ خدمت انجام دیں اور اُن کی کمزوریاں بروئے کار آنے کا کم سے کم موقع پائیں۔

ان سب اُلجھنوں سے بچ نکلنے کے بعد پھر بھی آدمی کے دل میں یہ خلجان باقی رہ جاتا ہے کہ اپنے جن رفقاء کے ساتھ وہ اقامتِ دین کے لیے کام کر رہا ہے وہ معیارِ مطلوب سے بہت فروتر ہیں اور ان کے اندر بہت سے پہلوؤں میں ابھی بہت سی خامیاں

© rasailojaraid.com

(باقی صفحہ ۱۴۴ پر)